

# صدارتی نظام کی شرعی حیثیت

جناب محمد امین صاحب

(۲)

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس وقت جو سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات ہیں ان کو صحابہ کرام کے زمانے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ خلافتِ راشدہ کے وقت جو سیاسی نظام تھا اس کے شکل پذیر ہونے اور کامیابی سے چلنے میں جو عناصر کار فرما تھے وہ یہ تھے:

— معاشرہ سادہ اور پھیل چکیوں سے مبرا تھا۔

— عام لوگوں میں ایمان کا گہرا شعور موجود تھا جس نے انہیں بے خوف اور نڈر بنا دیا تھا۔ وہ حکام سے دبتے تھے اور نہ ڈرتے تھے بلکہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق آزادی رائے کا حق استعمال کرتے تھے اور بوقتِ حکمران کی مخالفت کرتے تھے۔

لے ڈاکٹر ثروت بدوی کا کہنا ہے (النظم السیاسیہ ص ۴۰۶) کہ ابتدائی معاشروں میں عموماً ترکیز سلطنت کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ عربوں میں قبائلی نظام رائج تھا جس میں زیادہ تر اختیارات قبیلہ کے سردار کے پاس ہوتے تھے، نیز عربوں کے گرد و پیش بادشاہت بھی ایک نظامِ حکومت کے طور پر موجود تھی۔

لے اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے کم ہر مقرر کرنا چاہا تو ایک عورت نے انہیں ٹوک دیا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ خلاف قرآن ہے۔ اسی طرح (باقی بر صفحہ آئندہ)

— حکام متقی اور خوفِ خدا رکھنے والے تھے، اپنے آپ کو عام لوگوں سے برتر نہ گردانتے تھے اور اپنے آپ کو عام لوگوں کے سامنے جواب دہ سمجھنے سے پہلے خدا کے حضور جواب دہ سمجھتے تھے۔

— عام لوگوں کو حکمرانوں پر پورا پورا اعتماد تھا، وہ ان کے اخلاص فی الدین، ان کے زہد و تقویٰ اور بے غرضی نیز دنیاوی امور میں ان کے فہم و تدبیر پر کامل یقین رکھتے تھے۔

— عوام اور حکمرانوں دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر شریعت کی پیروی کے حریص تھے اور قانونِ شریعت کو صحیح معنوں میں اپنی زندگیوں میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے اور اس کی مکمل بالا دستی کو تسلیم کرتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ایک بدو نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ اگر تم ٹیڑھے چلے تو ہم اپنی تلواروں سے تم کو سیدھا کر دیں گے اور ایک دوسرے موقع پر ایک صحابی نے ایک پبلک اجتماع میں آپ کو کہہ دیا کہ ہم تمہاری اطاعت نہیں کریں گے جب تک تم یہ نہ بتا دو کہ تم نے اپنی قمیض کا کپڑا بغیر استحقاق کے توہیت المال سے نہیں لے لیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

لے اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی بھوک سے مر گیا تو مجھ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور جب ایک بدو نے انہیں کہا کہ اگر تم ٹیڑھے چلے تو ہم اپنی تلواروں سے تم کو سیدھا کر دیں گے تو حضرت عمرؓ نے اُسے ڈیفنس رولز یا کسی سیفیٹ ایکٹ کے تحت جیل بھجوانے کی بجائے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو غلط روی کی صورت میں ان کو سیدھا کر سکتے ہیں۔

لے اس کی مثال یہ ہے کہ لوگوں سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو وہ خود چل کر آجاتے کہ ہمیں سزا دی جائے۔ اور جب مہر کے معاملے میں ایک عورت نے حضرت عمرؓ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب آپ موجودہ حالات کا تجزیہ کر کے دیکھئے کہ کیا یہ عناصر ہمارے آنے کے معاشرے میں موجود ہیں؟

— عوام کے دینی شعور کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے عشرِ عشر بھی نہیں رہا۔ نیز اس وقت سے لے کر آج تک حکمرانوں کے ظلم و ستم نے انہیں بحیثیت مجموعی نڈر اور بے باک نہیں رہنے دیا۔

— حکمرانوں کی کیفیت یہ ہے کہ تقویٰ اور زہد تو دور رہا وہ برسرِ عام گالیاں دینے اور یہ اعلان کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے کہ وہ شراب پیتے ہیں۔

— شریعت کی بالادستی کا یہ عالم ہے کہ نمازی اور حاجی حکمران بھی یہ زعم رکھتے ہیں کہ "انتظار ٹی" وہ خود ہیں اور اپنے بنائے ہوئے فوجی قانون کو شرعی قانون پر غالب رکھتے ہیں۔

— آج اسلامی ممالک میں سے اکثریت کی یہ حالت ہے کہ عوام اور حکمران ایک دوسرے سے دور ہیں، ان کے درمیان ہم آہنگی نہیں کشمکش ہے، عوام کا کوئی طبقہ اگر معاشرے میں اسلامی رنگ لانا بھی چاہتا ہے تو حکمران اسے اپنا دشمن سمجھنے اور اسے میا میٹ کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

— مشینی اور الیکٹرانک دور نے زندگی کو پھیندہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ممالک کی آبادی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کوڑھ کا تو آپ نے بے ساختہ کہا "عورت نے ٹھیک کہا اور عمر سے غلطی ہوئی" اور جب حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے لوگوں کی یہ رائے پیش کی کہ لشکرِ اسامہ کو نہ بھیجا جائے کیونکہ فوجی قوت کے منقسم ہو جانے اور مدینہ پر حملے کا اندیشہ ہے اور اگر لشکر بھیجا ہے تو کسی بڑے سردار کی زیر سرکردگی بھیجا جائے تو حضرت ابو بکرؓ نبیاً عمر رسیدہ، مدبر اور حلیم الطبع آدمی بچھڑ گیا اور فرمایا "اے عمر! تیری ماں روئے، رسول اللہ نے اُسے مقرر فرمایا اور تم مجھے کہتے ہو کہ اسے ہٹا کر دوسرا آدمی مجھادوں۔ خدا کی قسم یہ لشکرِ اسامہ کی زیر سرکردگی جلیئے کا خواہ۔ دندنے دینے میں گھس کر مجھے اٹھالے جائیں"۔ (ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہما علی الطنطاوی صفحہ ۱۸۷)۔

کی تعداد اور ریاست کا دائرہ کار پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے اور فنِ حکمرانی ایک سائنس بن چکا ہے۔ معاشی مسائل، معاشرتی حالات، لوگوں کے ذہنی اور فکری رویے، ان کی عادتیں اور رسم و رواج وہ نہیں رہے جو آج سے چودہ سو سال پیشتر تھے۔ قبائلی نظام اور بادشاہت بطور ایک نظام حکومت کے تقریباً ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریت کا غلبہ برکھیں بلند ہو رہا ہے۔

ان حالات میں موجودہ معاشرے کو خلافتِ راشدہ کے زمانے پر کیسے تیس کیا جاسکتا ہے اور شکلی لحاظ سے جو نظام اُس وقت رائج تھا اُسے ہو ہو کیسے آج کی سوسائٹی میں نافذ کیا جاسکتا ہے؟ جن عناصر نے اسے ایک کامیاب سیاسی نظام بنایا تھا جب وہ عناصر ہی سرے سے مفقود ہیں تو آج اگر اُسے نافذ کر بھی دیا جائے تو وہ بالکل الٹ نتائج کیوں پیدا نہیں کرے گا؟ آج بھی اگر حکمران حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے ہوں تو ان کو زیادہ اختیارات دینے جانے کی حمایت کی جاسکتی ہے، لیکن اس وقت جیسے حکمران ہمیں میسر ہیں اور جو حالات ہمیں درپیش ہیں ان میں کسی ایک آدمی کو زیادہ اختیارات دینے کا کوئی جواز آخر شریعت سے کیسے ڈھونڈا جاسکتا ہے؟ یہ حالات تو اس امر کے متقاضی ہیں کہ آج کے مجتہدین ان حالات و ظروف کی روشنی میں سیاسی نظام کا نیا ڈھانچہ بنانے کے لیے نئے سرے سے اجتہاد کریں۔ اور اس کی بنیاد تقسیم اختیارات پر رکھیں تاکہ کسی حکمران کو ظلم و جبر کا موقع نہ ملے اور وہ عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہوں۔

جہاں تک اجتہادی امور میں تحقیق المصالح، سد الذرائع اور مقاصد الشریعہ جیسے فقہی قاعدوں کا تعلق ہے تو یہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ تحقیق المصالح کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصوص

لہ امام قرامنی نے ایسے حالات میں نئے اجتہاد کو جائز ہی نہیں بلکہ انتہائی ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا نہ کرنا خلافِ اجماع اور دین میں جہالت کے مترادف ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ایسے اجتہاد کے لیے مجتہد مطلق کی بھی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب الاحکام للقرامنی



امور میں ایسے اجتہادی فیصلے کیے جائیں جو مسلمانوں کے مصالح کو پورا کرنے والے ہوں اور ان کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنے والے نہ ہوں۔ سدا الذرائع کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسے فیصلے سے گریز کیا جائے جو فتنے اور فساد کا سبب بن سکتا ہو اور مقاصد الشریعہ کے قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ فیصلے اس طریقے سے کیے جائیں کہ ان سے مقاصد الشریعہ بالعموم پورے ہوں اور وہ شریعت کے مقاصد عامہ سے متضاد نہ ہوں۔ اب ان امور کے نقطہ نظر سے دیکھیے اور غور کیجیے کہ کیا ہمیں ایک ایسے سیاسی نظام کی ضرورت ہے جس میں زیادہ تر اختیارات ایک آدمی کے پاس ہوں یا اس کے بالکل برعکس کسی ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں زیادہ تر اختیارات ایک آدمی کے پاس نہ ہوں۔

خلافت راشدہ کے بعد سے لے کر طویل صدیوں پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی نظام کا ایک طائرانہ جائزہ لیجیے اور بتائیے کہ جس چیز نے مسلمانوں کو مصیبت اور فتنے میں ڈالا ہے وہ یہ امر تھا کہ حکمران جانبدار، مستبد اور ضرورت سے زیادہ بااختیار تھے یا اس چیز نے ڈالا ہے کہ حکمرانوں کے پاس اختیارات کی کمی تھی اور مجلس شوریٰ یا عدلیہ یا دوسرے کسی ادارے نے ان کو نڈھال کر رکھا تھا۔ اور اس کے بعد ذرا ایک نظر اپنے موجودہ حالات کا بھی جائزہ لے لیجیے کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے مسلمان ممالک ہیں ان کی مشکل آیا یہ ہے کہ ان میں حکمرانوں کے پاس زیادہ اختیارات نہیں، یا ان ملکوں میں مسلمان عوام کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کے حکمران ضرورت سے زیادہ بااختیار ہیں، فوج اور پولیس کی قوت سے ان پر حکمرانی کر رہے ہیں اور کسی کو ہٹنے اور بولنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اس کے ساتھ ہی پاکستان کے مخصوص جغرافیائی اور سیاسی حالات کو سامنے رکھ کر سوچیے۔ مملکت پاکستان پہلے دو سیاسی، انتظامی، لسانی اور جغرافیائی وحدتوں پر مشتمل تھی۔ طرہ حکومت ایسا تھا کہ اختیارات ایک آدمی کے ہاتھ میں تھے اور جب کئی برس ایک ہی مضبوط آدمی برسر اقتدار رہا جس کا تعلق ایک صوبے سے تھا تو لامحالہ دوسرے صوبے میں احساس محرومی پیدا ہوا، جس کو اچھالا اور بڑھا یا گیا حتیٰ کہ ملک ٹوٹ گیا۔ موجودہ

سچا کھچا پاکستان بھی چار انتظامی، سیاسی، جغرافیائی اور لسانی وحدتوں پر مشتمل ہے اور یہ وحدتیں آبادی، وسائل، زبان اور معاشرت کے نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ کمیونسٹ، انتہا پسند اور نظریہ پاکستان کے اندرونی و بیرونی دشمن اس گھٹات میں لگے بیٹھے ہیں کہ کہیں چنگاری نظر آئے تو وہ آ سے شعلہ بنائیں، جیسا کہ حال ہی میں سندھ کے واقعات نے یہ ثابت بھی کر دیا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمیں ایک ایسے طرز حکومت کی ضرورت ہے جس میں اختیارات ایسے اداروں کے پاس ہوں جنہیں سب صوبوں کے لوگ خود چلائیں۔ اور ایسا نظام ہمارے لیے تباہ کن ثابت ہوگا جس میں اختیارات زیادہ تر ایک آدمی کے ہاتھ میں ہوں۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ایک ہی صوبے سے ہوگا اور دوسرے صوبوں کے فتنہ پردازوں کو لوگوں کے احساسِ محرومیت کو ایکسپلاٹ کر کے فتنہ پھیلانے اور انتشار پیدا کرنے کا موقع ملے گا۔

پاکستان سمیت مسلم ممالک کی سیاسی صورت حال کا جو نقشہ ہم نے ابھی ماضی کے تجربات کی روشنی میں کھینچا ہے کیا اس کے تجزیے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمارے اس نظام حکومت ایسا ہونا چاہیے جہاں ایک مضبوط شخص کے بجائے حکومت کے اختیارات متعدد آدمیوں اور اداروں کے ہاتھ میں ہوں تاکہ کوئی شخص اپنی من مانی نہ کر سکے۔ کیا فوجی جرنیلوں نے عسکری قوت کے بل پر جعلی انقلاب لانے کا جو سلسلہ مسلم ممالک میں شروع کر رکھا ہے اور اسے ختم کرنے کا وہ نام نہیں لیتے اور اس کو بدلنے کے لیے عوام کو جو ان کے کشمکش کرنی پڑتی ہے اور اس سے جو خون بہتا ہے اور فتنہ و فساد بڑھتا ہے تو کیا "سدا الذرائع" کا کلیہ اس امر کا متقاضی نہیں ہے کہ اس سلسلے کو ختم کیا جائے۔ اور ایسے ادارے بنائے جائیں اور انہیں مضبوط کیا جائے جو عوام کی رائے سے پُر امن انتقالِ اقتدار کا سبب بنیں اور ان امور کا فیصلہ ایک با اختیار آدمی کے ہاتھ میں نہ ہو۔

اسی طرح اسلامی شریعت کی تطبیق اور اسلامی نظام زندگی کی بحالی کے نقطہ نظر سے سوچئے تو کیا شریعت کے مقاصد اس طرح پورے ہو سکتے ہیں کہ اکثر اختیارات ایک آدمی کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں۔ اگر وہ اچھا ہو تو سبحان اللہ لیکن اگر وہ برا ہو تو پھر اس کا

علاج کیا ہوگا؟ کیا اس کے بجائے بہتر نہیں کہ شریعت کی تطبیق اور نفاذ کے لیے ایک مضبوط آدمی پر انحصار کرنے کے بجائے ایسے اداروں پر انحصار کیا جائے جس میں افراد خواہ طاقت ور نہ ہوں اور آتے جاتے رہیں، لیکن یہ ادارے ایک طویل منصوبہ بندی کے تحت مقاصد شریعت کو پورا کرنے کے لیے تدریج کے ساتھ کام کرتے رہیں اور ان کے اثرات بھی دیرپا نکلیں۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ آج نہ ہمارے حکمران حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے ہیں اور نہ ہمارے ہاں اُس وقت کے عوام کی طرح ہیں تو کیا اس کا یہ حل مناسب نہیں ہے کہ اختیارات ایک آدمی کو دینے کے بجائے تقسیم اختیارات کے فارمولے پر عمل کیا جائے تاکہ کسی کو جا برد اور ظالم بننے کا موقع ہی نہ ملے!

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ حالات میں جو امر عام مسلمانوں کے بالعموم اور ہم پاکستانیوں کے مفاد کے بالخصوص عین مطابق ہے، اور جو طرز حکومت ان کے بہترین مفاد میں ہے، وہ ایک ایسا نظام ہے جس میں اکثر اختیارات ایک آدمی کے پاس نہ ہوں، بلکہ مختلف اداروں کے پاس ہوں جنہیں چلانے میں عام باشندگان ملک اور انتظامی و جدتیں برابر کی شریک ہوں اور یہ ادارے ایک دوسرے کے اختیارات کی نگرانی کرتے رہیں تاکہ کوئی ایک عنصر دوسرے پر حاوی نہ ہو سکے، جس میں آدمی آتے جاتے رہیں اور یہ ادارے طے شدہ طریقے سے قومی اور دینی مقاصد کے لیے کام کرتے رہیں۔ اور یہ ادارے دیرپا ہوں، آدمی اُن کو ختم نہ کریں، بلکہ یہ آدمیوں کو جنم دیں، اُن کی تربیت کریں اور انہیں قومی مقاصد کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیں۔ ”ہذا ما عندنا و العلم عند اللہ“